

اشعار

(۰)

اسلام کے متعلق مشر جارج برنارڈشا کے خیالات جرائد میں شائع ہو چکے ہیں حال میں جنہوں نے مشرق کا سفر کیا تو اس کے دوران میں سنگاپور کے عربی اخبار المہدی کا نامہ نگار ان سے ملا اور اسے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے پھر ایک مرتبہ اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام آزادی دوستی و ذہنی حریت کا دین ہے، اجتماعی نقطہ نظر سے سچیت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، کسی مذہب کا نظام اجتماعی آنا مکمل نہیں ہو جتنا اسلام کا نظام ہے۔ دنیا سے اسلام کا تنزل اسلام سے دور ہٹ جائے کی بدولت ہے مسلمان جب صرف اسلام کی بنیادوں پر جدوجہد کریں گے تو عالم اسلامی کا خواب بیداری سے بدل جائیگا۔

ان خیالات کے سننے کے بعد نامہ نگار نے سوال کیا کہ جب آپ اسلام کو اچھا سمجھتے ہیں تو پھر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیوں نہیں کر دیتے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو فطری طور پر ان بیانات کے بعد پیدا ہوتا ہے کیونکہ ایک سلیم الطبع آدمی کے لئے کسی چیز کے اعتراف قبح اور اس کے ترک اور کسی چیز کے اعتراف حسن اور اس کے قبول و تسلیم کر لینے میں کوئی حد قائل نہیں ہے لیکن سٹرشا نے جو کچھ جواب دیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قبول اسلام کے لئے طیار نہیں ہیں۔ اور ایسا نہ کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ صرف اس چیز کی کمی ہے جس کو شے صدر کہتے ہیں۔

ایک سٹرشا ہی پر موقوف نہیں ہو بہت سے اہل فکر و نظر پہلے بھی گزر چکے ہیں، اور اب بھی موجود ہیں جنہوں نے اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا، اس کے ذیوی یا دینی یا دونوں حیثیتوں سے مفید

عکس اس کے بہت سے ایسے آدمی بھی ہو گئے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اسلام کی مخالفت اور اس کی دشمنی میں صرف کر دیا لیکن اسی مخالفت کے سلسلہ میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے حقیقت اسلام ان پر آشفت ہو گئی۔ اور اس انخساف کے بعد کوئی چیز ان کو ایمان لانے سے روک گئی

ہمارا شب و روز کا مشاہدہ ہو کہ ایک شخص کو بازار میں چوٹ لگ کر گرتے ہوئے سنکر دلوں
آدمی دیکھتے ہیں بہت سے اس کو ایک معمولی واقعہ سمجھ کر دیکھتے ہوئے گزر جاتے ہیں بہتوں کے دل میں جرم آتا
ہے۔ مگر وہ افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں بہت سے اس کا تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور
بعض اشد کے بندے ایسے نکلتے ہیں جو بڑھ کر اسے اٹھاتے ہیں اس سے ہمدردی کرتے ہیں اور اس کو مدد پہنچاتی
کوشش کرتے ہیں اسی طرح ایک مجرم کو پابزنجیر لجاتے ہوئے بہت سے آدمی دیکھتے ہیں۔ کوئی اس کی طرف التفات
نہیں کرتا۔ کوئی اس پر حقارت کی نظر ڈالتا، کوئی اس پر ترس کھاتا، کوئی اس کی منہسی اڑاتا، کوئی اس کے
انجام پر خوش ہوتا، کوئی کہتا ہے کہ جیسا کیا ویسا بھرا۔ اور کوئی اس کے انجام سے عبرت حاصل کرتا ہے اور
جرم سے بچنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ تو مختلف لوگوں کی مختلف نفسی کیفیات و تاثرات ہیں، جن کا اختلاف زیادہ تعجب خیز نہیں اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ ایک ہی شخص کے تاثر اور اس پر ایک ہی چیز کے اثر کی نوعیت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہے۔ وہی ایک بات جس کو ایک شخص ہزاروں مرتبہ سنتا ہے اور نہیں مانتا، مگر ایک ایسا موقع آتا ہے کہ یکایک اس کے دل کا بندل جاتا ہے۔ جو بات کان کے پردہ میں اٹک کر رہ جاتی تھی وہ سیدھی دلیک پہنچ جاتی ہے۔ اور وہ خود حیران ہوتا ہے کہ یہی بات میں پہلے بھی بارہا سن چکا ہوں، پھر آج یہ کیا ہو گیا کہ یہ خود بخود دل میں اتری چلی جا رہی ہے؟ ایک ہی شخص کو بارہا آفت رسیدہ آدمیوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے اور وہ ان کی طرف التفات بھی نہیں کرتا۔ لیکن ایک موقع پر کسی شخص کی مصیبت دیکھ کر دفعۃً اس کا دل بھڑاتا ہے۔ شقاوت کا پردہ چاک چاک ہو جاتا ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ بہرہ ور، حیم اور نرم دل بن جاتا ہے۔ ایک شخص کو اپنی عمر میں بے شمار عبرت ناک مناظر دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے کبھی وہ کوئی تماشا سمجھ کر دیکھتا ہے کبھی ایک حسرت و افسوس کی نگاہ ڈالتا ہے، اور کبھی ایک معمولی منظر سے اس پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ دل پر ایک مستقل نقش بیٹھ جاتا ہے۔

یہی حال ہدایت و ضلالت کا بھی ہے۔ یہی ایک قرآن تھا۔ وہی ایک اس کی تعلیم تھی، وہی ایک اس کو سنانے والی زبان تھی۔ ابو جہل اور ابولہب تمام عمر اس کو سنتے رہے مگر کبھی وہ ان کے کانوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خدیجہ الکبریٰ۔ ابو بکرؓ۔ اور علیؓ ابن ابی طالب نے سنا اور پہلے ہی لمحوں میں اس پر ایمان لے آئے، بغیر اس کے کہ ان کے دل میں شک کا شائبہ بھی گزرتا۔ عمرؓ ابن الخطاب نے بیسوں مرتبہ اس کو سنا اور صرف یہی نہیں کہ تسلیم نہ کیا بلکہ جوں جوں سنتے رہے مخالفت اور دشمن ہوتے چلے گئے، لیکن ایک مرتبہ انہی کانوں نے اس چیز کو سنا تو کان اور دل کے درمیان جتنی مضبوط دیواریں چنی ہوئی تھیں، یکایک

منہدم ہوئیں اور اس چیز نے ان کے دل میں ایسا اثر کیا کہ ان کی زندگی کی بالکل کاپیا پلٹ دی۔

مرحضہ نے نقطہ نظر سے اس اختلاف کیفیت اور اختلاف اثر و تاثر کی بہت سی توضیحات کی جا سکتی ہیں۔ اور وہ سب اپنی اپنی جگہ درست بھی ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو چیز چشم و گوش اور دل و دماغ کے درمیان کہیں ایک مستقل حجاب بن جاتی ہے کہیں ایک مدت تک حجاب بنتی ہے، اور ایک نفسی موقع پر خود بخود چاک ہو جاتی ہے کہیں سرے سے حجاب بنتی ہی نہیں کہیں کسی بات کے لئے حجاب بنتی ہے۔ اور کسی بات کے لئے نہیں بنتی، وہ ہرگز انسان کے ارادہ و اختیار کے تابع نہیں ہے بلکہ فطری و جبلی طور پر خود بخود انسان میں پیدا ہوتی ہے۔

یہی نکتہ ہے جس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:-

فَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَبِهِدَايَةِ تَشْرَحُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يَضِلَّهُ يُجْعَلْ صَدْرُهُ ضَيِّقًا خَرَجًا كَمَا تَأْيِصُّ قَدُ فِي السَّمَاءِ ۚ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ (۱۵: ۶)۔

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ضیقاً خرجاً کرتا اور ایسا بھینچتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر کذاب کی طرح ہے۔ یہ طریقہ جس سے ایمان نہ لانے والوں پر اللہ کی طرف سے ناپاکی مسلط کی جاتی ہے۔

ایک اور موقع پر اس کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ:-

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَكِنْ يَضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَكِنْ يَضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَكِنْ يَضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ

اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

پھر اس ہدایت کی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے کہ:-

قُلْ إِنْ أَلَّهِ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ إِنَّ إِلَهَهُ مِنْ آثَابِ (۱۳: ۱۴)۔
وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اگلی طرف

رجوع کرتا ہو۔

اور ضلالت کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ:-

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا ۚ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ كِتَابَةً أَنْ يَفْقَهُوْا ۚ وَفِي أَذَانِهِمْ وَقْرًا (۵: ۱۷)۔
یہ گرائی پیدا کر دی

ان آیات میں اس فطری کیفیت کو جو ایک حق بات سن کر اسے قبول کر لینے کے لئے ضروری طور پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور جو آخر کار انسان کو ایمان کی طرف کھینچ لاتی ہے۔ خدائی ہدایت اور اس کے پیدا ہونے کو ”شرح صدر“ تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس ہدایت کے برعکس انسان کے دل میں حق سے انکار اور اعراض کرنے پر آمادگی کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کو افسد کی طرف سے مسلط کی ہوئی گمراہی قرار دیا گیا ہے اور ”شرح صدر“ کے مقابل جو انقباضی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے ضیق صدر سے تعبیر کیا گیا ہے پھر اس ”ہدایت“ و ”ضلالت“ اور ”شرح صدر“ و ”ضیق صدر“ کے پیدا ہونے کا سبب بتایا ہے کہ انسان جب ایک مرتبہ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کو خود بخود وہ راستہ دکھائی دینے لگتا ہے جو اسے سیدہ خدا کی جانب لے جاتا ہے اور جو شخص سرے سے یہ احساس ہی نہیں رکھتا کہ مجھے کبھی خدا کے حضور میں حاضر ہونا اور اپنے قلب و جوارح کے افعال کا حساب دینا ہے اس کو لاکھ کوئی شخص کلمہ حق سنائے اور وعظ و تلقین کرے کوئی بات اس کے دل میں نہیں اترتی، اور وہ کسی طرح راہ راست پر

نہیں آتا۔

یہاں پھر دو باتیں مل گئی ہیں جن کو الگ الگ سمجھ لینے سے قرآن مجید کے وہ مقامات آسانی
حل ہو جاتے ہیں جن میں یہ مضمون مختلف پیرایوں سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک طرف ہدایت و شرح صدر اور ضلالت و ضیق صدر کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف
منسوب کیا ہے۔ دوسری طرف اس ہدایت و شرح صدر کے عطا کرنے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ
انسان خدا کی طرف رجوع اور توجہ کرے۔ اور ضلالت و ضیق صدر کے مسلط کر دیے کا سبب یہ بتایا ہے
کہ مگر اہ شخص خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اس کے سامنے منہول و جواب دہ ہونے کا احساس نہیں رکھتا۔

ان دونوں چیزوں کے باہمی تعلق کو یوں سمجھو کہ انسان کی فطرت میں خدا نے ایک ایسی قوت
رکھ دی ہے جو اس کو حق و باطل کے امتیاز اور صحیح و غلط کا فرق سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اسے
حق کی طرف بڑھنے اور باطل سے احتراز کرنے پر مائل کرتی ہے یہی قوت وہ فطری ہدایت ہے جسے خدا اپنی طرف
منسوب کرتا ہے اور جس کی طرف ارشاد خداوندی فِطْرَةُ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا میں اشارہ
کیا گیا ہے اس کے خلاف ایک اور قوت بھی انسان میں کام کر رہی ہے جو اس کو برائی کی طرف کھینچتی غلطی
اور کج روی کی طرف مائل کرتی اور جھوٹ اور باطل کو اس کے سامنے مزین کر کے پیش کرتی ہے ان دونوں
کے ساتھ بہت سی خارجی اور داخلی قوتیں ایسی ہیں جن میں سے بعض ہدایت کی قوت کو مدد پہنچانے والی
ہوتی ہیں اور بعض ضلالت کی قوت کو اکتساب علم اور اس کے مختلف مدارج تربیت اور اس کی مختلف
کیفیات، سوسائٹی اور اس کے مختلف احوال وہ چیزیں ہیں جو باہر سے اس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ترازو
کے دونوں پلڑوں میں سے کسی ایک میں یکم و بیش دونوں میں اپنا وزن ڈالتی رہتی ہیں۔ اور انسان کا اپنے
اختیار تیزی، اپنی فہم و فراست، اپنی عقل و بصیرت، اپنے ذرائع اکتساب علم سے صحیح یا غلط کام لینا

اور اپنی قوت فیصلہ کو بجا یا بیجا استعمال کرنا، وہ چیز ہے جو خود اس کے ارادہ کے تابع ہے اور جس سے وہ ہدایت و ضلالت کی متضاد قوتوں کے مقتضیات کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔

اب ہوتا یہ ہے کہ خدا کی بخشی ہوئی ہدایت اور اس کی مسلط کی ہوئی ضلالت دونوں ایک غیر محسوس طور پر اپنا عمل کرتی رہتی ہیں۔ ہدایت کی قوت اسے راہ راست کی طرف لطیف اشارے کیا کرتی ہے۔ اور ضلالت کی قوت اسے باطل کے طمع پر رجحانے جاتی ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان غلط اثرات سے متاثر ہو کر اور خود اپنی اختیاری قوتوں کو غلط طریقے سے استعمال کر کے ضلالت کے پھندے میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ہدایت کی چکا رہے کان ہی نہیں دھرتا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ غلط راستے پر چل رہا ہوتا ہے، اور اس دوران میں کچھ بیرونی اثرات اور کچھ خود اس کی اپنی عقل و بصیرت دونوں مل جل کر اسے گمراہی سے بیزار کر دیتے ہیں۔ اور اس وقت ہدایت کی وہی روشنی جو پہلے ہم تھی دفعتاً تیز ہو کر اس کی آنکھیں کھول دیتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مدت تک انسان ہدایت اور ضلالت کے درمیان مذبذب رہتا ہے کبھی ادھر کھینچتا ہے کبھی اُدھر، قوت فیصلہ اتنی قوی نہیں ہوتی کہ بالکل کسی ایک طرف کا ہو جائے بعض بدقسمت اسی مذبذب کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ بعض کا آخری فیصلہ ضلالت کے حق میں ہوتا ہے اور بعض ایک طویل کشمکش کے بعد ہدایت الہی کا شفا پاتے ہیں مگر سب سے زیادہ خوش قسمت وہ سلیم الفطرت صحیح القلب اور سدید النظر لوگ ہوتے ہیں جو خدا کی دی ہوئی عقل اس کی عطا کی ہوئی آنکھوں اس کے بخشے ہوئے کانوں اور اس کی ودیعت کی ہوئی قوتوں سے ٹھیک ٹھیک کام لیتے ہیں۔ مشاہدات اور تجربات سے درست نتائج اخذ کرتے ہیں۔ آیات الہی کو دیکھ کر ان سے صحیح سبق حاصل کرتے ہیں، باطل کی زینت ان کو رجحانے میں ناکام ہوتی ہے۔ حجب کافر یہ ان کو اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتا، ضلالت کی رنج راہیوں کو دیکھتے ہی وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ مکی

چلنے کے قابل نہیں ہیں۔ پھر جو نہی کہ وہ جگہ طرف رجوع کرتے اور اس کی طلب میں آگے بڑھتے ہیں حق خود ان کے استقبال کو آتا ہے۔ ہدایت کا نور ان کے سامنے چمکنے لگتا ہے، اور حق کو حق سمجھ لینے، اور باطل کو باطل جان مینے کے بعد پھر دنیا کی کوئی قوت ان کو راہ راست سے پھیرنے، اور گمراہی کی طرف لگانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

ایک اور بات بھی اس سلسلہ میں قابل بیان ہے، اور ضرورت ہے کہ مسلمان اس کو ذہن نشین کر لیں عام طور پر جب غیر مسلم مشاہیر کی جانب سے اسلام کے متعلق کچھ اچھے خیالات کا اظہار ہوتا ہے تو مسلمان بڑے فخر سے ان خیالات کو شہرت دیتے ہیں گویا ان کا اسلام کو اچھا سمجھنا اسلام کی خوبی کے لئے کوئی گراں قدر شہادت ہے لیکن حقیقت فراموش نہ کرنی چاہئے کہ اسلام کی صداقت و حقانیت اس کے بے نیاز ہے کہ کوئی اس کا اعتراف کرے جس طرح آفتاب کا روشن ہونا اس کا محتاج نہیں کہ کوئی اس کو روشن کہے، اور جس طرح آگ کا گرم اور پانی کا سیال ہونا اس کا محتاج نہیں کہ کوئی اس کی گرمی اور اس کے سیلان کو تسلیم کرے اسی طرح اسلام کا برحق ہونا بھی اس کا حاجتمند نہیں ہے کہ کوئی اس کے برحق ہونے کو مان لے جھوٹا ایسے لوگوں کی تحسین اور مدح تو کوئی بھی وقعت نہیں رکھتی جن کے دلائل و براہین کا ساتھ نہیں دیتے اور جو خود اپنے اعراض و انکار سے اپنی مدح و تحسین کی تکذیب کرتے ہیں اگر حقیقت میں وہ اسلام کی خوبی کے معترف ہوتے تو اس پر ایمان لے آتے لیکن جب انہوں نے زبانی اعتراف کے باوجود ایمان لانے سے انکار کر دیا تو اہل عقل کی نگاہ میں ان کی حیثیت بالکل اس شخص کی سی ہے جو طیب کی صداقت کو تسلیم کرے، اس کے تجویز کردہ نسخہ کی صحت کا اعتراف کرے، مگر اپنی بیماری کا علاج کسی عطائی طیب سے کر لے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ کسی بڑے سے بڑے غیر مسلم کا اعتراف بھی اسلام کے لئے قابل فخر

نہیں ہے اس کے لئے ایک ہی فخر کافی ہے۔ اور وہ اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ، اور وَ
رَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا کا فخر ہے۔

اسی اشاعت میں جناب ذوقی شہ صاحب کا ایک مضمون ”فہم قرآن“ کے عنوان سے
شائع ہو رہا ہے انہوں نے اس مضمون میں ایک علمی و روحانی تربیت گاہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی
ہے جہاں ایسے نچے داعیان اسلام کی ایک مخلص جماعت طیار کی جائے جو نہ صرف علوم و معارف قرآنی
کے حامل ہوں بلکہ اس کے ساتھ اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ سے بھی آراستہ ہوں تاکہ دنیا کے سنے
اسلامی تعلیم کا عملی نمونہ بن کر پیش ہوں اور صداقت اسلام کا سکھ دلوں پر بٹھادیں۔

کچھ عرصہ ہوا میں نے بھی اس قسم کی ایک تجویز مجلس تحریک قرآن کی ایک ذیلی کمیٹی کے سنے
پیش کی تھی اگرچہ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ صوفی ہیں، انہوں نے اس کو ”خانقاہ“ سے موسوم کیا ہے اور
میں طالب العلم ہوں، میں نے اسے مدرسہ کا نام دیا ہے لیکن اختلاف اسی کے باوجود سنی ایک ہی ہے،

میری تجویز یہ تھی کہ ایک مدرسہ مخصوص طور پر صرف علوم قرآنی کی تعلیم کے لئے قائم کیا جائے
اس میں دینیات کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک منتخب اور مختصر جماعت کو رکھ کر مختلف پہلوؤں سے قرآن مجید
پڑھایا جائے مثلاً ایک طرف الفاظ کی تحقیق، جملوں کی ترکیب، بلاغت کے نکات اور اسالیب بیان کا
نتیجہ ہو۔ دوسری طرف قرآن مجید کی اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے جو خود رسول اکرم اور صحابہ کرام اور
سلف صالح نے فرمائی ہے تیسری طرف عقائد و عبادات، اور معاملات کے متعلق قرآن مجید کی تعلیم اور اس کے
احکام پر نظر کی جائے اور احتیاط مسائل کے طریقے معلوم کئے جائیں چوتھی جانب قرآن مجید کا مطالعہ
فلسفہ و کلام کے نقطہ نظر سے کیا جائے اور ابتدا سے ایک مختلف ادیان و ملل اور مذاہب فلسفہ کی جانب سے

قرآن مجید پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کی تحقیق کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی ان طلباء کو علوم جدیدہ کی تعلیم بھی دی جائے تاکہ وہ زمانہ کی رفتار، زندگی کے موجودہ مسائل اور وقت کی ضروریات کو سمجھیں اور اس زمانہ کے لوگوں کی بنیادی قرآنی تعلیمات کے مطابق کرنے کے لئے مستعد ہوں پھر ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ہندوستان اور یورپ کی مختلف زبانیں سکھائی جائیں تاکہ وہ اس ملک اور بیرونی ممالک میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کر سکیں۔

میرے نزدیک اس درس گاہ میں چند خصوصیات ضرور ہونی چاہئیں:-

(۱) طالب علم ایسے انتخاب کئے جائیں جو لطیف خاطر اپنی زندگی کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کرنے پر آمادہ ہوں۔ نیک سیرت ہوں، نوہین و طبائع ہوں، اور اس سانچے میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جس میں ان کو ڈھالنا مقصود ہے۔

(۲) ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف اپنے اپنے فن میں درجہ کمال رکھتے ہوں، بلکہ اس کے ساتھ اخلاق فاضلہ سے بھی مصطف ہوں تاکہ وہ اپنے شاگردوں کے سامنے صرف تلاوت آیات ہی نہ کریں، بلکہ ان کے نفوس کا تزکیہ بھی کریں۔ ان میں حکمت کی روح بھی پھونکیں، ان کے اندر ایمان کی بھی روشن کریں، اور ان کو عمل صالح کا درس بھی دیں۔

(۳) روحانی تربیت کے ساتھ ان طلبہ کو مختلف قسم کی صنعتیں بھی سکھائی جائیں تاکہ دنیا سے نکل کر وہ پیشہ وادعا، یا کرایہ کے امام، یا دنیا طلب درویش نہ بن جائیں اور نہ دوسرے طریقوں سے عوام خوری کر کے علم کو ذلیل کریں۔ بلکہ بزرگانِ سلطنت کی طرح عزت کے ساتھ اپنے دست و بازو کی کمائی کھائیں اور جو کچھ وقت کرب معاش سے بچے اس کو دین کی خدمت میں صرف کریں۔

ہندوستان کے، مکر و مسلمانوں میں سے اس قسم کے تیس چالیس نوجوانوں کا فراہم ہو جانا

کچھ مشکل نہیں، چار پانچ ایسے صالح علماء کا میسر آ جانا بھی آسان نہیں تو دشوار بھی نہیں، اور اس مدرسے کا خرچ چلانے کے لئے دو دہائی ہزار روپے مہینہ کا انتظام کرنا بھی محالات سے نہیں ہے، خصوصاً حیدرآباد میں اس کو محال کہنا تو کفران نعمت ہے، مگر ضرورت صرف ایک چیز کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس کام کو ایسے لوگ اپنے ہاتھ میں لیں جن کا خلوص بھی مستم ہو اور دیانت بھی محل شک میں نہ ہو، اور جو کام کو کام کے لئے کرنا چاہتے ہوں نہ کہ کسی اور چیز کے لئے۔

یہ ایک ایسی تجویز ہے جو اگر اپنی حقیقی شان کے ساتھ عالم واقعہ میں آجائے تو یقیناً مسلمانوں کی قوم پر ایک انقلاب انجیز اثر مرتب ہوگا مسلمانوں کی تمام تحریکیں صرف اس وجہ سے بے جان ہیں کہ ان میں رجال کی قلت ہے کہیں اتفاق سے کوئی بندہ خدا ایک اچھا دل و دماغ اور ایک سچا جذبہ عمل کے پر پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو حالات کی مساعدت بھی میسر آ جاتی ہے، تو اس کے اثر سے کچھ دن کے لئے مسلمانوں میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر وہ حرکت صرف اس کی زندگی تک رہتی ہے اور اس کی آنکھ بند ہو جاتی اور اس کا کام بھی بند ہوتا۔ اس کی اصلی علت یہی ہے کہ ہمارے رہنماؤں کو کام کے آدمی بنانے اور مردان کا رہنما کرنے کی اہمیت کا احساس نہیں ہے۔ وہ اپنی تمام قوت اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنانے میں صرف کر دیتے ہیں، اور یہ فکر نہیں کرتے کہ اس کام کو آئندہ بھی چلانے کے لئے آدمی فراہم ہونے چاہئیں تاکہ کام کی زندگی، شخص واحد کی زندگی کے ساتھ ختم نہ ہو جائے اس کی کوپورا کرنے کی سخت ضرورت ہو، اور اس کی تدبیروں میں سے ایک اہم تدبیر وہ ہے جو ابھی اوپر بیان کی گئی ہے اگر ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی درس گاہ اور تربیتی گاہ قائم کر دی جائے جس سے صحیح علم، اور بلند سیرت رکھنے والے تین چالیس نو جوانوں کی ایک جماعت ہر دوسرے تیسرے سال نکلتی رہے، تو ایک قلیل مدت میں مسلمانوں کے اندر وہ قحطِ الرجال باقی نہ رہے گا۔ جس کی بدولت آج کل ان کی قومی تحریکوں پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔